# حضرت خنساء بنتِ عمروؓ
## — ارثی العرب —

### (۱)

سیّدنا حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں جنگِ قادسیہ کا شمار عراقِ عرب کی سرزمین پر لڑی جانے والی نہایت خوں ریز اور فیصل کن جنگوں میں ہوتا ہے۔ اس لڑائی میں سلطنتِ ایران نے اپنے دو لاکھ آزمودہ کار جنگ جو اور تین سو جنگی ہاتھی مسلمانوں کے مقابل لا کھڑے کیے۔ دوسری طرف مجاہدینِ اسلام کی کل تعداد صرف تیس اور چالیس ہزار کے درمیان تھی۔ ان میں سے بعض مجاہدین کے ساتھ ان کے اہل و عیال بھی جہاد میں حصہ لینے کے لیے قادسیہ آئے تھے۔ اس موقع پر ایک ضعیف العمر خاتون بھی جذبۂ جہاد سے سرشار اپنے چار نوجوان فرزندوں کے ساتھ میدانِ جنگ میں موجود تھیں۔ شب کے ابتدائی حصے میں جب ہر مجاہد آنے والی صبح کے ہول ناک منظر پر غور کر رہا تھا اس خاتون نے چاروں فرزندوں کو اپنے پاس بلایا اور ان سے یوں خطاب کیا:

> ”میرے بچو! تم اپنی خوشی سے اسلام لائے اور اپنی خوشی سے تم نے ہجرت کی۔ اس ذاتِ لایزال کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، جس طرح تم ایک ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے اسی طرح تم ایک باپ کی اولاد ہو۔ میں نے نہ تمھارے باپ سے خیانت کی اور نہ تمھارے ماموں کو ذلیل و رسوا کیا۔ تمھارا نسب بے عیب ہے اور تمھارا حسب بے داغ۔ خوب سمجھ لو کہ جہاد فی سبیل اللہ سے بڑھ کر کوئی کارِ ثواب نہیں۔ آخرت کی دائمی زندگی دنیا کی فانی زندگی سے کہیں بہتر ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (آل عمران:۲۰۰)

"اے مسلمانو! صبر سے کام لو اور ثابت قدم رہو اور آپس میں مل کر رہو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تا کہ مراد کو پہنچو۔"

کل اللہ نے چاہا اور تم خیریت سے صبح کرو تو تجربہ کاری کے ساتھ اور خدا کی نصرت کی دعا مانگتے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑنا اور جب تم دیکھو کہ لڑائی کا تنور خوب گرم ہو گیا اور اس کے شعلے بھڑکنے لگے تو تم خاص آتش دانِ جنگ میں گھس پڑنا اور راہِ حق میں دیوانہ وار تلوار چلانا۔ ہو سکے تو دشمن کے سپہ سالار پر ٹوٹ پڑنا۔ اگر کام یاب رہے تو بہتر اور اگر شہادت نصیب ہوئی تو یہ اس سے بھی بہتر کہ آخرت کی فضیلت کے مستحق ہو گے۔"

چاروں نونہالوں نے یک زبان ہو کر کہا:

"اے مادرِ محترم! ان شاء اللہ ہم آپ کی توقعات پر پورے اتریں گے اور آپ ہمیں ثابت قدم پائیں گی۔"

صبح جب معرکۂ کارزار گرم ہوا تو ان خاتون کے چاروں فرزند اپنے گھوڑوں کی باگیں اٹھائے، رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے ایک ساتھ میدانِ جنگ میں کود پڑے۔

بزرگ خاتون، جن کے چہرے پر عجیب قسم کا جلال تھا، اپنے فرزندوں کو میدانِ رزم میں بھیج کر بارگاہِ الٰہی میں یوں عرض پیرا ہوئیں۔

"الٰہی میری متاعِ عزیز یہی کچھ تھی، اب تیرے سپرد ہے۔"

اپنی ماں کی تقریر سن کر ان نوجوانوں کے دلوں میں رات ہی سے شوقِ شہادت کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ اب جو لڑائی کا موقع ملا تو ایسی وارفتگی سے لڑے کہ شجاعت بھی آفرین پکار اٹھی۔ جس طرف جھک پڑتے تھے غنیم کے پرّے کے پرّے صاف ہو جاتے تھے۔ آخر دشمن کے سینکڑوں جنگجوؤں نے انھیں اپنے نرغے میں لے لیا۔ اس حالت میں بھی یہ سرفروش مطلق ہراساں نہ ہوئے اور دشمن کے بیسیوں سپاہیوں کو خاک و خون میں لوٹا کر خود بھی رتبۂ شہادت پر فائز ہو گئے۔

جب ان خاتون نے اپنے بچوں کی شہادت کی خبر سنی تو نالہ وفریاد کرنے کے بجائے بارگاہِ رب العزت میں سجدہ ریز ہوگئیں اور ان کی زبان پر بے ساختہ یہ الفاظ جاری ہوگئے۔

''اس اللہ کا شکر ہے، جس نے مجھے اپنے فرزندوں کے قتل سے مشرّف کیا۔ باری تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ قیامت کے دن مجھے ان بچوں کے ساتھ اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دے گا۔''

یہ ضعیف العمر خاتون، جنھوں نے تسلیم ورضا اور صبر وتحمل کا ایسا مظاہرہ کیا کہ چشمِ فلک نے کبھی اس کی نظیر نہ دیکھی تھی، عرب کی عظیم مرثیہ گو حضرت خنساء بنتِ عمروؓ تھیں۔

## (۲)

حضرت خنساءؓ (الخنساء) کا شمار عظیم المرتبت صحابیات میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق نجد کے قبیلہ بنو سلیم سے تھا، جو بنو قیس بن عیلان کی ایک شاخ تھا۔ یہ قبیلہ اپنی شرافتِ نفس، جود وسخا اور شجاعت وہمت کی بنا پر قبائلِ عرب میں امتیازی حیثیت کا حامل تھا۔ یہاں تک کہ ایک موقع پر خود رحمتِ عالم ﷺ نے اس قبیلے کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی:

''بلاشبہ ہر قوم کی ایک پناہ گاہ ہوتی ہے اور عرب کی پناہ گاہ قیس بن عیلان ہے۔''

حضرت خنساءؓ کا اصل نام تماضِر تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

تماضر بنتِ عمرو (بن الحارث) بن الشرید بن رباح بن یقظہ بن عصیہ بن خفاف بن امراء القیس بن بہثہ بن سلیم بن منصور بن عکرمہ بن حفصہ (عفصہ) بن قیس بن عیلان بن مضر۔

تماضر چوں کہ بہت چست، ہوشیار اور خوب رو تھیں اس لیے خنساء کے لقب سے مشہور ہوئیں، جس کے معنی ہرنی کے ہیں۔

مؤرخین نے حضرت خنساءؓ کے سالِ ولادت کی تصریح نہیں کی۔ لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہجرتِ نبوی سے تقریباً پچاس برس پہلے پیدا ہوئیں۔ ان کا والد عمرو بنو سلیم کا رئیس تھا اور اپنی وجاہت اور ثروت کی بنا پر بڑے اثر ورسوخ کا مالک تھا۔ اس نے اپنی اولاد (خنساءؓ اور ان کے بھائیوں معاویہ وصخر) کی پرورش بڑے ناز ونعم سے کی، یہاں تک کہ وہ بڑے ہو کر اعلیٰ خصائل کے مالک ہوئے۔ مبدأ فیاض نے خنساءؓ کی فطرت میں ہی شعر وسخن کا ذوق ودیعت کیا تھا۔ چناں چہ وہ صغرسنی میں کبھی کبھی دو چار شعر موزوں کرلیا کرتی تھیں۔ رفتہ رفتہ شعور کی پختگی کے

ساتھ ان کی شعری صلاحیتیں بھی ترقی کرتی گئیں۔ یہاں تک کہ آگے چل کر وہ ایک شہرہ آفاق مرثیہ گو شاعرہ کے مرتبے پر فائز ہوئیں۔ حضرت خنساءؓ کے عنفوانِ شباب کو پہنچنے سے پہلے ہی ان کے شفیق باپ کا انتقال ہوگیا۔ خنساءؓ کے لیے یہ ایک جانکاہ صدمہ تھا لیکن ان کے دونوں بھائیوں معاویہ اور صخر نے ایسی محبت اور دل سوزی کے ساتھ ان کی سرپرستی کی کہ وہ باپ کا غم بھول گئیں۔ اب ان کی محبت اور عقیدت کا مرجع دونوں بھائی تھے وہ ان سے ٹوٹ کر محبت کرتی تھیں اور ان کو دیکھ دیکھ کر جیتی تھیں۔ اسی زمانے میں بنو ہوازن کے مشہور شہسوار، شاعر اور رئیس درید بن الصِمّہ نے خنساءؓ کو ان کے بھائی معاویہ کے ذریعے شادی کا پیغام دیا۔ خنساءؓ نے بعض وجوہ کی بنا پر یہ پیغام قبول کرنے سے انکار کردیا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ درید ایک معمر شخص تھا اور اس کی شکل وصورت بھی کچھ ایسی پسندیدہ نہیں تھی اس لیے خنساءؓ نے اسے دیکھ کر ناپسند کیا اور اس کے خلاف کچھ اشعار بھی کہے، جن میں درید اور اس کے قبیلے کا ذکر طنزیہ انداز میں کیا۔

اس کے بعد اپنے قبیلے کے ایک نوجوان عبدالعزیٰ (یا بہ روایت ابنِ قتیبہ، رواحہ بن عبدالعزیٰ) سے شادی کی۔ اس سے حضرت خنساءؓ کا ایک بیٹا ابوشجرہ عبداللہ پیدا ہوا۔ عبدالعزیٰ نے جلد ہی وفات پائی۔ اس کے بعد خنساءؓ نے بنو سلیم ہی کے ایک دوسرے شخص مرداس بن ابی عامر سے نکاح کرلیا۔ اس سے ان کے تین بیٹے عمرو، زید اور معاویہ (یا بہ قول ابنِ حزم ہبیرہ، جزء اور معاویہ) پیدا ہوئے اور ان کے بعد ایک بیٹی عمرہ پیدا ہوئی۔ مرداس ایک بہادر اور حوصلہ مند آدمی تھا اس نے اپنے کچھ ساتھیوں کی مدد سے ایک چشمے سے متصل دل دلی زمین کو قابلِ کاشت بنانے کی کوشش کی وہاں کی مرطوب آب وہوا نے اس کی صحت پر بُرا اثر ڈالا اور وہ بخار میں مبتلا ہوکر انتقال کرگیا۔

اس کے بعد خنساءؓ نے اپنی ساری زندگی بیوگی کی حالت میں کاٹ دی۔ ان کے بھائیوں معاویہ اور صخر نے بیوہ بہن کی دل جوئی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور وہ دل جمعی کے ساتھ اپنے بچوں کی پرورش اور تربیت میں مصروف رہیں۔ اس زمانے میں وہ اپنا ذوقِ شعر وسخن بھی پورا کرتی رہتی تھیں۔ لیکن ان کا دائرۂ شہرت محدود ہی رہا۔ جس واقعے نے ان کی زندگی کا رُخ بدل دیا اور ان کے اشعار میں غضب کی تاثیر پیدا کردی وہ ان کے دونوں مربّی بھائیوں کا یکے بعد دیگرے انتقال تھا۔ مؤرخین نے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ خنساءؓ کے بھائی معاویہ کا عکاظ کے میلے میں بنو مرہ کے ایک شخص ہاشم بن حرملہ سے جھگڑا ہوگیا تھا۔ اس نے ہاشم سے بدلہ لینے

کے لیے اپنے اٹھارہ ساتھیوں کے ہم راہ قبیلہ مرہ پر دھاوا بول دیا۔ لڑائی کے دوران میں وہ ہاشم کے بھائی درید کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔

اس کے بعد صخر نے اپنے بھائی (معاویہ) کے قتل کا انتقام لینے کی قسم کھائی۔ چناں چہ اس نے موقع پا کر دُرید کو قتل کر دیا اور اس کے ایک سلیمی ساتھی نے درید کے بھائی ہاشم بن حرملہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا لیکن اس پر بھی صخر کی آتشِ انتقام سرد نہ ہوئی اور وہ بنو مرہ پر برابر حملے کرتا رہا۔ اس کش مکش کے دوران میں بنو مرہ کے حلیف بنو اسد کے ایک شخص فقعس نے صخر کو شدید زخمی کر دیا اور وہ کئی ماہ تک اپنے خیمے میں نیم جان پڑا رہا۔ حضرت خنساءؓ نے بڑی تندہی سے اپنے محبوب بھائی کی تیمارداری کی لیکن وہ جانبر نہ ہو سکا۔ صخر بڑا شجاع، عاقل اور خوب صورت جوان تھا۔ حضرت خنساءؓ کو اس کی موت پر شدید صدمہ پہنچا۔ ان کے دل و دماغ میں ایک آگ سی بھڑک اٹھی، جس نے نہایت دردناک اور فصیح و بلیغ مرثیوں کی شکل اختیار کر لی۔ انھوں نے صخر کے فراق میں ایسے دل سوز اور جاں گداز مرثیے کہے کہ جو سنتا اشک بار ہوئے بغیر نہ رہ سکتا۔ ان مرثیوں نے انھیں سارے عرب میں مشہور کر دیا اور نہ صرف عام لوگ بلکہ ان کے ہم عصر عرب شعرا بھی ان کی قادر الکلامی اور استادی کا تو ہار مان گئے۔ انھوں نے صخر کی یاد میں جو مرثیے کہے ان کے چند اشعار کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے:

''اے میری آنکھو! خوب آنسو بہاؤ اور ہرگز نہ رکو
کیا تم صخر جیسے سخی پر نہیں روؤ گی؟
کیا تم اس شخص پر نہ روؤ گی، جو نہایت جری اور جوانِ رعنا تھا۔
کیا تم اس سردار پر نہیں روؤ گی جو سرو قد تھا اور جس کا پرتلہ بڑا لمبا تھا۔
جو کم سنی ہی میں اپنے قبیلے کا سردار بن گیا۔
قوم نے اس کی طرف اپنے ہاتھ دراز کیے تو اس نے بھی اپنے ہاتھ دراز کر لیے۔
اور ان بلندیوں پر پہنچ گیا جو لوگوں کے ہاتھوں سے بھی بلند تھیں۔
اور اسی عزت و عظمت کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوا۔
بزرگی اس کے گھر کا راستہ دکھاتی ہے۔
اگر شرافت اور عزت کا ذکر آئے تو دیکھو گے کہ
صخر نے عزت کی چادر اوڑھ لی ہے۔

صخر کی بڑے بڑے لوگ اقتدا کرتے ہیں گویا کہ وہ ایک پہاڑ ہے۔
جس کی چوٹی پر آگ روشن ہے۔
اس مرثیہ کے آخری شعر

و ان صخرا لتا تمّ الهداة به كانّهٗ علمٌ فی راسه نار

کی تاثیر کا تو یہ عالم تھا کہ جو سنتا تھا دانتوں تلے انگلیاں داب لیتا تھا۔

''درِ منثور'' میں ہے کہ حضرت خنساءؓ صخر کی قبر پر صبح و شام جا کر اس قسم کے دردناک اشعار پڑھا کرتیں اور زار و زار رویا کرتیں۔

سورج جب نکلتا ہے تو وہ مجھے صخر کی یاد دلاتا ہے اور اسی طرح ہر غروب آفتاب کے وقت بھی مجھے اس کی یاد آتی ہے۔

اگر میرے اردگرد اپنے مرے ہوؤں پر رونے والوں کی کثرت نہ ہوتی تو میں اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالتی۔

اے صخر! اگر تو نے اب میری آنکھوں کو رلایا ہے تو (کیا ہوا اس سے پہلے) ایک لمبے عرصے تک تم مجھے ہنساتے بھی تو رہے ہو۔

تم زندہ تھے تو تمھارے طفیل میں آفات و حوادث کو دفع کر لیتی تھی افسوس کہ اب کون اس بڑی مصیبت کو دور کرے گا۔

بعض مقتولوں پر رونا اچھا نہیں لگتا لیکن تجھ پر رونا بے حد قابل ستائش ہے۔

## (۳)

زمانہ جاہلیت میں اہلِ عرب ربیع الاوّل سے ذی قعدہ تک مختلف مقامات پر بڑی دھوم دھام سے میلے لگایا کرتے تھے۔ بازار عکاظ کا میلہ ان میں سب سے زیادہ مشہور تھا۔ اس میلے میں عرب قبائل کے تمام رؤسا اور ہر قسم کے اربابِ ہنر و کمال شامل ہوتے۔ قبائل کے نئے سردار چنے جاتے اور باہمی تنازعات کے فیصلے کیے جاتے۔ غرض یہ میلہ نہایت اہم اور مرکزی حیثیت کا حامل تھا۔ عرب کے کونے کونے سے ہر چھوٹا بڑا شاعر اس میں شریک ہوتا اور لوگوں کو اپنا کلام سناتا۔ حضرت خنساءؓ بھی بازار عکاظ کے اس اجتماع میں ہر سال شریک ہوتیں۔ جب ان کی آمد آمد ہوتی تو لوگ اس طرف ٹوٹ پڑتے اور ان کے اونٹ کے گرد گھیرا ڈال کر مرثیے سنانے کے لیے اصرار کرتے۔ جب وہ اپنے کسی مرثیے کے چند اشعار پڑھتیں تو سامعین فرطِ رنج و الم

سے دھاڑیں مار مار کر روتے اور یہ سامعین کون ہوتے تھے؟ نہایت سنگ دل اور خوف ناک بدوی جنگجو جن کے لیے قتل و غارت محض ایک کھیل تھا۔ خنساءؓ کے اشعار سن کر ان کے دل پگھل جاتے اور سیلِ اشک ان کی آنکھوں سے رواں ہو جاتا۔ یہ سیلِ اشک ان میں جذبۂ انسانیت بیدار کرنے کا باعث بنتا۔

خنساءؓ کو اپنی زبان کے صرف و نحو پر کمال درجہ کا عبور تھا وہ اگرچہ تمام اصنافِ سخن میں یدِطولیٰ اور مہارتِ تامہ رکھتی تھیں لیکن مرثیہ گوئی میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں۔ بازارِ عکاظ میں ان کے خیمہ کے دروازے پر ایک جھنڈا نصب ہوتا تھا جس پر یہ الفاظ لکھے ہوتے تھے۔

**الخنساء ــــ ارثی العرب**

(یعنی عرب کی سب سے بڑی مرثیہ گو خنساء)

بازارِ عکاظ میں عرب کا عظیم ترین شاعر نابغہ ذبیانی بھی آیا کرتا تھا۔ اس کے لیے سُرخ رنگ کا خیمہ نصب کیا جاتا تھا جو سارے میلے میں منفرد ہوتا تھا اس لیے کہ وہ اپنے دور کے شاعروں میں مسلمُ الثبوت استاد مانا جاتا تھا اور بڑے بڑے نامی شعرا اسے اپنے اشعار سنانے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ جب خنساءؓ پہلی مرتبہ بازارِ عکاظ میں آئیں اور اپنے اشعار نابغہ کو سنائے تو وہ بے اختیار پکار اٹھا۔

> ''واقعی تو عورتوں میں بڑی شاعرہ ہے اگر میں اس سے پہلے ابوبصیر (اعشیٰ) کے اشعار نہ سن لیتا تو تجھ کو اس زمانے کے تمام شعرا پر فضیلت دیتا اور کہہ دیتا کہ تو جن و انس سب سے افضل ترین شاعرہ ہے(۱)''

رفتہ رفتہ خنساءؓ کی شاعرانہ عظمت کا چرچا تمام عرب میں پھیل گیا اور نہ صرف ان کے ہم عصر بلکہ بعد کے فحول شعرائے عرب نے بھی ان کی عظمت کا اعتراف کیا۔ حضرت خنساءؓ کے شعر کہنے کا اسلوب سادہ لیکن نہایت دلکش اور اثر انگیز ہے۔ فی الحقیقت فخریہ شعر کہنے اور مرثیہ میں تو مشکل ہی سے کوئی ان کی ہمسری کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ علامہ ابنِ اثیرؒ کہتے ہیں کہ:

---

(۱) کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر حضرت حسان بن ثابتؓ بھی موجود تھے وہ جاہلی دَور میں بھی عرب کے چوٹی کے شعرا میں شمار ہوتے تھے اور اسلام لانے کے بعد تو انھیں ''مداحِ رسول'' اور شاعرِ دربارِ نبوت کی حیثیت سے جو فضیلت اور عظمت حاصل ہوئی وہ محتاجِ بیان نہیں۔ یہ واقعہ ان کی زندگی کے جاہلی دَور سے تعلق رکھتا ہے۔ خنساء کے بارے میں نابغہ کے الفاظ سُن کر وہ غصے سے بے تاب ہو گئے اور کڑک کر کہا: (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

"تمام علمائے شعر و سخن اس بات پر متفق ہیں کہ کوئی بھی عورت شعر گوئی میں خنساءؓ کے برابر نہیں ہوئی نہ ان سے پہلے اور نہ ان کے بعد۔" (اسد الغابہ)

لیلیائے اخیلیہ کو اپنے دور کی سب سے بڑی عرب شاعرہ مانا گیا ہے لیکن ابن قتیبہ کے نزدیک اس کو خنساءؓ پر فضیلت حاصل نہیں ہے۔ وہ اپنی کتاب طبقات الشعرا میں لکھتے ہیں:

"لیلائے اخیلیہ عورتوں میں سب سے بڑی شاعرہ ہے، جس پر کسی کو تفوق حاصل نہیں سوائے خنساءؓ کے۔"

بنو امیہ کے دور کے مشہور شاعر جریر (متوفی ۱۱۰ھ) سے ایک مرتبہ لوگوں نے پوچھا، سب سے بڑا شاعر کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اگر خنساء نہ ہوتی تو میں ہی سب سے بڑا شاعر تھا۔

بشار بن برد نہ صرف خود ایک بہت بڑا شاعر تھا بلکہ کمال درجے کا سخن فہم بھی تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ جب میں عورتوں کے اشعار دیکھتا ہوں تو ان میں کوئی نہ کوئی خامی ضرور پاتا ہوں۔ ایک دفعہ لوگوں نے اس سے پوچھا، کیا خنساءؓ کے اشعار بھی خامی سے پاک نہیں؟ اس نے جواب دیا:

"وہ تو مردوں سے بھی بڑھ گئی ہے۔"

حافظ ابنِ حجرؒ نے اِصابہ میں لکھا ہے کہ عہد بنی امیہ کا مشہور شاعر اخطل (جو اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کی بہ دولت نابغہ ذبیانی کا ہم رتبہ شمار ہوتا ہے) ایک مرتبہ عبدالملک بن مروان

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) "تو نے غلط کہا خنساء سے بہتر میرے شعر ہیں۔" نابغہ نے خود جواب دینے کی بہ جائے خنساء کی طرف دیکھا، انھوں نے حسانؓ سے مخاطب ہو کر کہا: "تمھیں اپنے قصیدہ کے کس شعر پر سب سے زیادہ ناز ہے۔"

حسانؓ نے یہ شعر پڑھا۔

لنا الجفنات الغرّ یلمعن فی الضحی — و اسیافنا یقطرن من نجدۃٍ دما

اور ہماری تلواریں بلندی سے خون ٹپکاتی ہیں

یعنی ہمارے پاس بڑے بڑے صاف شفاف برتن ہیں جو چاشت کے وقت چمکتے ہیں

حضرت خنساءؓ نے فوراً کہا، یہ شعر سات آٹھ جگہوں پر بلندی سے گر گیا ہے۔ جفنات کا اطلاق دس سے کم پر ہوتا ہے اس کی جگہ جفان بہتر تھا۔ غرّ پیشانی کی سفیدی کو کہتے ہیں اس کے بہ جائے بیض کا لفظ موزوں تھا یلمعن ایک عارضی چمک کو کہتے ہیں اس کے بہ جائے یشرقن بہتر تھا۔ کیوں کہ اشراق لمعان سے زیادہ دیرپا ہے۔ ضحیٰ سے دجیٰ بہتر تھا کیوں کہ روشنی سیاہی میں زیادہ قابلِ وقعت ہوتی ہے۔ اسیاف جمع قلت کا صیغہ ہے، سیوف کہنا چاہیے تھا۔ یقطرن میں وہ خوبی نہیں جو یسلن میں ہے۔ اسی طرح بہ مقابلہ لفظ دم کے دماء میں کثرت کا مفہوم ہے۔ حضرت حسانؓ خنساءؓ کے اعتراضات سن کر خاموش ہو گئے۔

کے دربار میں گیا اور ایک مدحیہ قصیدہ پیش کرنے کی اجازت چاہی۔ عبدالملک ایک صاحبِ علم اور سخن فہم شخص تھا اس نے جواب دیا۔ اگر تم مجھے شیر اور سانپ سے تشبیہ دینا چاہتے ہو تو میں تمھارے شعر نہیں سنوں گا ہاں اگر تم خنساءؓ کے کلام جیسے اشعار پیش کرنا چاہتے ہو تو کرو۔

## (۴)

حضرت خنساءؓ کا آغازِ پیری تھا کہ فاران کی چوٹیوں سے آفتابِ رسالت طلوع ہوا اور عرب کا گوشہ گوشہ اس کے نور سے جگمگانے لگا۔ لیکن وائے بدبختی کہ اہلِ مکہ میں سے اکثر نے اس نورِ ہدایت کی طرف سے آنکھیں بند کرلیں اور حق کے چراغ کو پھونکوں سے بجھانے کے لیے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ یہ چراغ جسے خود اللہ تعالیٰ نے روشن کیا تھا ان سے کیا بجھتا البتہ اپنے کرتوتوں کے باعث وہ عارضی طور پر اس کی برکات وانوار سے محروم ہوگئے۔ دوسری طرف تین سو میل دور اہلِ یثرب کی قسمت میں یہ سعادتِ عظمیٰ لکھی ہوئی تھی کہ انھوں نے اس متاعِ بے بہا کے لیے دیدہ ودل فرشِ راہ کردیے اور اپنی جانوں اور مالوں کو مکہ کے درِ یتیمؐ کے قدموں میں لا ڈالا چناں چہ جب یثرب حضورؐ کے نزولِ اجلال کے بعد مدینۃ النبیؐ بن گیا تو اسلام کو ایک مرکز میسّر آگیا اور پیغامِ حق آہستہ آہستہ عرب کے تمام اطراف واکناف میں پھیلنے لگا۔ حضرت خنساءؓ کے کانوں میں بھی اس پیغام کی بھنک پڑی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں فطرتِ سعید سے نوازا تھا۔ یہ پیغام سنتے ہی دل ودماغ کی دنیا بدل گئی... اپنے قبیلے کے چند آدمیوں کو ساتھ لیا منزلوں پر منزلیں مارتی مدینہ منوّرہ پہنچیں اور رحمتِ عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر اسلام کی دولتِ لازوال سے مالا مال ہوگئیں۔ علامہ ابنِ اثیرؒ اور حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ اس موقعے پر سرورِ عالم ﷺ بڑی دیر تک ان کا فصیح وبلیغ کلام سنتے رہے۔ وہ سناتی جاتی تھیں اور حضورؐ فرماتے جاتے تھے۔ ''شاباش اے خنساءؓ۔''

قبولِ اسلام کے بعد وہ اپنے قبیلے میں واپس تشریف لے گئیں اور لوگوں کو پیغامِ رسالت پہنچا کر اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی۔ زبان میں بڑی تاثیر تھی چناں چہ بے شمار لوگوں نے ان کی تبلیغ سے متاثر ہوکر اسلام قبول کرلیا۔ اس کے بعد وہ وقتاً فوقتاً مدینہ منوّرہ آتیں اور رحمتِ عالمؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر فیضانِ نبویؐ سے مقدور بھر بہرہ یاب ہوتیں۔

## (۵)

اسلام لانے کے بعد بھی حضرت خنساءؓ کے دل سے اپنے محبوب بھائیوں بالخصوص صخر کی یاد محو نہ ہو سکی۔ وہ ایامِ جاہلیت کے دستور کے مطابق صخر کے سوگ میں ہمیشہ اپنے سر پر بالوں کا ایک گچھا (یا سر بند) باندھے رہتی تھیں۔ علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نے دیکھا کہ حضرت خنساءؓ کعبہ کا طواف کر رہی ہیں اور سر پر سوگ کی علامت کے طور پر سر بند باندھ رکھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے انھیں بلا کر فرمایا کہ اسلام اس قسم کے سوگ کی اجازت نہیں دیتا۔ انھوں نے عرض کیا:

''امیر المومنین کسی عورت پر غم والم کا ایسا پہاڑ نہ ٹوٹا ہوگا میں اسے کیسے برداشت کروں۔''

حضرت عمرؓ نے انھیں دلاسا دیتے ہوئے فرمایا:

''اس دنیا میں لوگوں کو اس سے بھی بڑے مصائب وآلام سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ذرا ان کے دلوں میں جھانک کر تو دیکھو۔ جس چیز کو اسلام نے ممنوع قرار دیا ہے اس کو اختیار کرنا معصیت ہے۔''

اس کے بعد حضرت خنساءؓ نے سوگ کی علامت ترک کر دی لیکن صخر کو بھلانا ان کے بس کی بات نہ تھی اس کی یاد میں ان کا رونا دھونا برابر جاری رہا لیکن اب اس نے دوسری صورت اختیار کر لی۔ کہا جاتا ہے کہ قبولِ اسلام کے بعد وہ اس قسم کے شعر پڑھا کرتی تھیں۔

كنت ابكي له من الثار — و انا اليوم ابكي له من النار

یعنی پہلے تو میں صخر کو بدلہ لینے کی خاطر رویا کرتی تھی — اور اب اس لیے روتی ہوں کہ وہ (قتل ہو گیا اور اسلام نہ لا سکا اور اب جہنم کی آگ میں جلتا ہوگا)

حافظ ابنِ حجرؒ نے اس سلسلے میں یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ حضرت خنساءؓ کبھی کبھی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوتیں، ان کے سر پر ہمیشہ بالوں کا ایک گچھا بندھا ہوتا، جو عرب میں انتہائے غم کا مظہر ہوتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اس طرح کا سر بند باندھ کر سوگ منانا اسلام میں منع ہے۔ حضرت خنساءؓ نے جواب دیا:

''ام المؤمنین یہ سر بند باندھنے کی ایک خاص وجہ ہے۔''

حضرت عائشہؓ نے پوچھا: ''وہ کیا؟''

حضرت خنساءؓ نے کہا:

''اُمّ المؤمنین میرا خاوند انتہائی فضول خرچ اور قمار باز تھا۔ اس نے اپنا تمام زر و مال جوئے میں ہار دیا اور ہم دانے دانے کو محتاج ہو گئے۔ جب میرے بھائی صخر کو میری حالت کا پتہ چلا تو اس نے اپنے تمام مال کا بہترین نصف مجھے دے دیا۔ جب میرے شوہر نے اسے بھی ضائع کر دیا تو میرے بھائی نے اپنے بقایا کا بہترین نصف پھر مجھے دے دیا۔ صخر کی بیوی اس پر معترض ہوئی کہ تم اپنے مال کا بہترین حصہ اپنی بہن کو دیتے ہو اور اس کا شوہر اسے قمار بازی میں تلف کر دیتا ہے۔ یہ سلسلہ آخر کب تک چلے گا۔

میرے بھائی نے جواب دیا، خدا کی قسم میں اپنی بہن کو اپنے مال کا بدترین حصہ نہیں دوں گا۔ وہ پاک دامن ہے اور میرے لیے یہ کافی ہے کہ میں اس کے ننگ و عار کا لحاظ رکھوں۔ اگر میں مر جاؤں گا تو وہ اپنی اوڑھنی میرے غم میں چاک کر ڈالے گی اور میرے سوگ میں اپنے سر پر بالوں کا سر بند باندھے گی۔''

چناں چہ میں یہ سر بند اپنے شجاع اور سخی بھائی کی یاد میں باندھتی ہوں۔

بہر صورت حضرت عمر فاروقؓ یا حضرت عائشہ صدیقہؓ کی تنبیہ کے بعد انھوں نے یہ سر بند باندھنا چھوڑ دیا اور رضائے الٰہی پر شاکر ہو گئیں۔

## (۶)

حضرت خنساءؓ کی زندگی کا سب سے تابناک واقعہ وہ ہے، جس میں وہ اپنے چاروں بیٹوں کو ساتھ لے کر جنگِ قادسیہ میں شریک ہوئیں، اس کی تفصیل اوپر بیان کی جا چکی ہے۔ یہ چاروں بچے ان کا عصائے پیری تھے (بالخصوص بعض اہلِ سِیَر کے اس بیان کے پیشِ نظر کہ شدتِ غم اور کثرتِ الم سے روتے روتے ان کی آنکھیں سفید ہو گئی تھیں) لیکن جب ان چاروں کی شہادت کی خبر سنی تو جزع فزع کے بہ جائے ان کی زبان سے جو الفاظ نکلے وہ یہ تھے۔

الحمد للّٰہ الذی شرفنی بقتلھم ...اس اللہ کا شکر ہے، جس نے مجھے ان کے راہِ خدا میں قتل ہونے کا شرف بخشا۔

یہ الفاظ ان کے ایمانِ محکم اور صبر و رضا پر دال ہیں۔

حضرت خنساءؓ کے یہ بچے جنگِ قادسیہ سے پہلے کئی دوسری لڑائیوں میں بھی دادِ شجاعت دے چکے تھے اور حکومت کی طرف سے ہر ایک کے نام دوسو درہم سالانہ وظیفہ مقرر تھا۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت عمرؓ نے یہ وظیفہ حضرت خنساءؓ کے نام منتقل کر دیا۔

اسلام کی اس جلیل القدر خاتون نے ایک روایت کے مطابق جنگِ قادسیہ کے سات آٹھ سال بعد ۲۴ھ میں وفات پائی اور ایک دوسری روایت کے مطابق انھوں نے امیر معاویہؓ کے عہدِ حکومت میں کسی بادیہ میں سفرِ آخرت اختیار کیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مولانا سعید انصاری مرحوم نے سیر الصحابیات میں لکھا ہے کہ حضرت خنساءؓ کا ضخیم دیوان مع شرح ۱۸۸۸ء میں بیروت سے چھپا۔ اس میں حضرت خنساءؓ کے علاوہ ساٹھ ۶۰ دوسری خواتین کے کہے ہوئے مرثیے بھی شامل ہیں۔ ۱۸۸۹ء میں اس کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہوا اور دوبارہ طبع کیا گیا۔

مولانا محمد نعیم ندوی صدیقی (اعظم گڑھ) نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ حضرت خنساءؓ کے دیوان کی شرح ایک عیسائی "الاب لویس الیسوعی" نے انیس المجلساء کے نام سے لکھی تھی۔ یہ شرح مطبع کاثولیکیہ بیروت سے ۱۸۹۶ء میں شائع ہوئی۔ اسے دیوانِ خنساءؓ کے ۶ قدیمی قلمی نسخوں سے پوری صحت کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے۔ اس کے شروع میں ایک مبسوط اور وقیع مقدمہ بھی ہے جو بہ جائے خود ایک خاصے کی چیز ہے۔ (ماہ نامہ فاران کراچی۔ جولائی ۱۹۶۷ء)

اگرچہ حضرت خنساءؓ سے کوئی حدیث مروی نہیں ہے لیکن ان کا شمار جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔ آخر جن کے حسنِ کلام کی خود سیّد المرسلین رحمتِ دو عالم ﷺ نے تعریف و تحسین فرمائی ہو ان کی جلالتِ قدر اور علوِ مرتبت میں شک بھی کیا ہو سکتا ہے؟ اور پھر حضرت خنساءؓ نے راہِ حق میں اپنے جگر کے ٹکڑوں کی شہادت پر جس بے مثال صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا اس نے بلاشبہ ان کے نام کو جریدۂ عالم پر دوام کا مستحق بنا دیا۔ ملتِ اسلامیہ اگر تا ابد ان پر ناز کرتی رہے تو وہ بجا طور پر اس کی مستحق ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا